

ہمیں اپنے نفس کے رنگ ڈھنگ اور ہتھ کنڈوں سے باخبر ہونے کے لیے ہمیشہ چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔ جب ان سے آشنا ہو کر ہم یہ سمجھ لیں گے کہ حاکمانہ اختیار کے کیا معنی ہوتے ہیں اور اس کے قبول یا ترک کرنے میں کیا کیا پیچیدگیاں پڑ جاتی ہیں، تب ہی اپنے آپ کو اقتدار و حکومت کے پتے سے چھڑا سکیں گے۔ جب تک ہمارے دل میں تحفظ کی خواہش غالب رہے گی اور اس کا پورا قابو رہے گا اس وقت تک خودی نفس اور اس کے پیدا کردہ مسائل سے نجات ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ طے شدہ مقولوں یا منظم عقائد سے جنھیں ہم مذہب کے نام سے موسوم کرتے ہیں، نفس سے چھٹکارا نہیں مل سکتا۔ مقولے اور اعتقادات تو ہمارے ہی ذہن کی اُتج ہیں۔ ادائیگی رسوم، پوجا پاٹ یا مراقبہ کے مسلمہ اور مقررہ طریقوں پر عمل کرتے رہنے سے یا محض چند الفاظ اور منتروں کے زبانی دوہرا لینے سے چاہے قدرے نشفی حاصل ہو جائے، مگر یہ سب دل و دماغ کو نفس اور اس کی سرگرمیوں سے بری نہیں کر سکتے۔ نفس تو فی نفسہ مادی اور جذباتی حسیات کا نتیجہ ہے۔

جب ہم پر رنج و غم کی کیفیت طاری ہوتی ہے، اس وقت جس کو ہم خدا کہتے ہیں، اور جو ہمارے ہی دل کی بنائی ہوئی صورت ہے، اس کی یاد کرتے ہیں، یا ایسے تسکین بخش دلائل نکال لیتے ہیں، جن سے ہمیں عارضی تسلی ہو جاتی ہے۔ جن مذہب کی ہم پیروی کرتے ہیں وہ ہماری

ہی امید و بیم، باطنی تحفظ اور طمانیت کی خواہش سے پیدا ہوتے ہیں۔ اقتدار کی پرستش سے، خواہ وہ کسی امام یا شفیع یا مرشد کامل کی پرستش کیوں نہ ہو، اطاعت گزاری، تسلیم و رضا یا تقلید کی خوبڑی ہے۔ جیسے فرقہ بندی یا نظریات اور خیالی معیار کے نام سے بھی مطلب برآری کی جاتی ہے اور انجام کار ہم برابر مصیبت جھیلنے رہتے ہیں۔

جس نام سے بھی ہم اپنے کو موسوم کریں، آخر کار ہم سب بشر ہی تو ہیں اور رنج و غم ہماری قسمت میں ہے۔ دکھ درد سب کے لیے یکساں ہیں۔ چاہے ہم تصورات کے دلدادہ ہوں یا مادہ پرست ہوں۔ خیالی تصورات سے مانوس ہونے کے معنی ہیں، موجودہ کیفیت سے گریز کرنا۔ اور مادہ پرستی بھی حقیقت حال کی بے پایاں گہرائی کا اندازہ کرنے سے انکار کا دوسرا طریقہ ہے۔ تصورات پسند اور مادہ پرست دونوں نے موجودہ مصائب کی پیچیدگیوں سے گریز کرنے کی راہیں نکال رکھی ہیں۔ دونوں اپنی آرزوؤں اُمنگوں، اور تنازعات کی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔ دونوں کو اپنے اپنے طرز زندگی سے امن نصیب نہیں، دونوں ہی دنیا کے مصائب اور انتشار کے ذمہ دار ہیں۔ جب ہم مصائب اور ترددات میں گرفتار ہو جاتے ہیں، اس وقت عقل گم ہو جاتی ہے۔ اس حالت میں ہم کتنی ہی ہوشیاری سے سوچی سمجھی تدبیروں پر عمل کریں، ہماری اذیت اور انتشار میں اضافہ ہونا ضروری ہے۔ اس کشمکش کو سمجھنے اور اس سے گلو